Vol. 7 No.1 2024

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

فقہ مالکی کے اصول استنباط

Principles of Fiqh Maliki

Dr. Muhammad Zia Ullah
Assistant Professor of Islamic Studies, NCBA&E, Lahore.
zianoorani@gmail.com
Dr. Mahmood Ahamd
Assistant Professor of Islamic Studies, NCBA&E, Lahore.
muftimehmoodahmad@gmail.com
Mufti Muhammad Hamid Raza
M.phil scholar (Islamic studies), NCBA & E, Lahore.
muhammadhamidraza98@gmail.com

Abstract:

Hazrat Imam Malik learned Hadith and Jurisprudence from the jurists of Saba, then the Taliban from the East and the West continued to teach the sciences of the Prophet's Hadith and jurisprudence and fatwas in their light. If you could not find the answer to a problem in the received hadiths, you would issue a fatwa based on its image, if you did not find an image of it in your own knowledge, then you would perform ijtihad and extract the rulings of the text, subject, indication and meaning of the Book of Sunnah. He used to compare the texts, comparing the Sunnah with the Book, if he could not find a suitable text, he would resort to inferences in the Instinbat ruling, if there was expediency in mind, then he would issue a fatwa according to such expediency, which was not against the text of the Sharia (peace be upon him). Kitabullah, Sunnah Rasoolullah, Fatqad-e-Taba, Qiyas and Masal Mursalah are the main sources of Fiqh Malik. Imam Malik did not codify the principles on which he built his religion and on the basis of which he derived the sub-rules and took into account in the inference problems, but still he wrote down some of his fatadas, problems, hadiths that are connected and connected, and Mursalah. And he hinted at the editing of Balaghat, even if he did not explain the method, for example, he stated in Muta that he derived Hadith Mursal, Hadith disconnected and Balaghat, but he did not explain the method of derivation. Because he did not do Qur'id in the arguable parts of the isnad and because he used to narrate the hadith from reliable narrators, this is the reason why your full attention was on such a person who narrated the hadith from you. Obviously, when the narrator was trustworthy in terms of his own intellect and jurisprudence, there was little need for debate in the chain of chain of transmission.

Imam Malik has clearly explained the method of derivation of the people of Madinah and its medicine, so his Mu'ta derivation is supposed to consist of, see an example of this, that Hazrat Imam Malik lost his wife who was married to another person. married to and the missing person returned to her again. Is there a presumption on the woman whose husband divorced her and returned to her, but the wife did not know about the divorce and did not know about the Jamaat? In the same suspicious condition, you have married another.

In the same way, such things will be found in Muta, which are advisors towards Imam Malik's principles of inference, although these principles have not been explained and justified, for example, the rules of the cause of speculation and its ranks, etc. have not been explained.

Keywords: Qur'an al Hakim , Hadith , Conjecture , Appreciation , Consensus

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615
Vol. 7 No.1 2024

ابتدایہ:

فقہائے مالکیہ نے فقہ مالکی سے متعلق وہی کام کیا، جو فقہاے حنفیہ نے فقہ حنفی کے سلسلے میں انجام دیا، چنانچہ انہوں نے فروع کی طرف اعتنا کرتے ہوئے اس کا تتبع کیا اور فروع کے بعد ایسے امور متخرج کیے، جو فقہ مالکی کے استنباط کے صحیح اصول بن سکیں، انہوں نے ان اصول مستنبط کو اس طور پر مرتب کیا، کہ یہ امام مالک کے اصول ہیں مثلاً کچھ ایسے اصول بنائے "مالک یاخذ بمفھوم المخالفۃ""مالک یاخذ بفحوی الخطاب "مالک یاخذ بظاھر القرآن "مالک یقول فی العموم کذا و کذا حالاں کہ در حقیقت یہ اقوال امام مالک سے منقول نہیں ہیں، بلکہ یہ ان فروع سے متخرج ہیں، جو آپ سے منقول ہیں یا آپ ے بعد کے علماے مالکیہ نے جنہیں بیان کیا ہے، ان اصول سے ہٹ کر فقہ مالکی میں استدلال ممکن نہیں، یہی مذہب مالک کے اصول ہیں انہیں اپنانا ضروری ہے، کیوں کہ یہ علماے مالکیہ کی کوششوں کا نتیجہ ہیں، اس بنیاد پر کہ یہ اصول امام مالک سے منقول نہیں رد نہیں کیے جا سکتے، ہاں وہ اصول جو امام مالک کے ناقابل تردید اقوال صریحہ ثابتہ منقولہ کے مخالف ہوں اور بعض ہی فروع پر منطبق ہوں اکثر پر منطبق نہ ہو سکیں ان کا ضرور رد کیا جائے گا اور یہ معاملہ ہر اس اصول کے ساتھ ہو گا جو کسی امام کی طرف منسوب ہو اور اس کے قول منقول کے مخالف ہو، ایسے اصول کتب مالکیہ اور تعلیقات علماے مالکیہ میں بکھرے پڑے ہیں، مالکیہ ہر قاعدہ کے تحت کہتے ہیں "رای فیها مالك كذا ان کا یہ قول فروع مالکیہ کا حاصل ہوتا ہے۔ قرانی کی کتاب" التنقیح "کا مطالعہ کیجیے انہوں نے قاعدہ اور معاامام مالک کی جمہور کے موافق یا مخالف رائے ذکر کی ہے۔ ایسے ہی آرا کے مجموعے مذہب مالکی کے اصول کہلائے۔

قرانی نے تنقیح میں فقہ مالکی کے مندرجہ ذیل گیارہ اصول ذکر کیے ہیں۔

(۱) قرآن (۲) سنت (۳) اجماع (۴) اجماع اہل مدینہ (۵) قیاس (۶) قول صحابی (۷) مصلحت مرسلہ (۸) عرف و عادات (۹) سد ذرائع (۱۰) استصحاب (۱۱) استحسان۔ ذیل میں اب ہم مذکورہ بالا اصول سے متعلق قدرے تفصیلی گفتگو کریں گے۔ [1]

کتاب:

حضرت امام مالک کتاب اللہ کو دین کی اصل اور شریعت کا منبع قرار دیتے ہیں، وہ درپیش مسائل میں سب سے پہلے قرآن سے استنباط کرتے ہیں، امام مالک نے اپنے ہم عصر علما کی طرح قرآن کے لفظ و معنی ہونے یا صرف معنی ہونے یا اپنے مابعد لوگوں کی طرح اس کے مخلوق ہونے میں کوئی جدال نہیں کیا، وہ چاہتے تھے، کہ دین کے مسائل کو جدل کا اکھاڑا نہ بنایا جائے، ان کا اعتقاد تھا، کہ جس شخص نے قرآن میں کسی سے جدل کیا اس نے جبریل کے لائے ہوئے قرآن اور محمد عربی سال منایا کہ تم پر نازل ہونے والی کتاب میں عیب نکالا۔ حضرت امام مالک کا خیال تھا، کہ قرآن کلی طور پر شریعت پر مشتمل ہے، وہ حدیث رسول کو قرآن کی تفسیر و بیان قرار دیتے تھے، وہ کہتے تھے، قرآن کی تفسیر وہی بیان کرے، جو عربی زبان کا عالم، عرب کے مختلف لہجوں کا عارف، اور عربیوں کے اسالیب کلام سے واقف ہو، وہ قرآن کی تفسیر میں اسرائیلی روایات کے داخل کرنے کو مکروہ جانتے تھے، اور اسرائیلی روایات بیان کرنے والے کی روایت کو معتمد نہیں مانتے تھے۔ ان کے نزدیک قرآن بلا جدل لفظ و معنی کا نام ہے، اسی وجہ سے انہوں نے نماز میں قرآن کے ترجمے کو جائز قرار نہیں دیا ہے اور نہ ترجمے کی ساعت پر سجدہ تلاوت کو واجب قرار دیا ہے محض ترجمہ کو وہ قرآن کی تفسیر گمان کرتے ہیں۔

حضرت امام مالک قرآن کریم کی نص، ظاہر، مفہوم موافق، مفہوم مخالف سے استدلال کرتے ہیں اور استدلال میں نص کو ظاہر پر ظاہر کو مفہوم موافق پر مفہوم موافق کو مفہوم مخالف پر مقدم کرتے ہیں۔

حضرت امام مالک سنت رسول کو دوسرا مصدر شرعی قرار دیتے ہیں، جو چیز کتاب اللہ میں منصوص نہیں ہوتی ہے، یا کتاب اللہ میں جس امر کا اجمالی حکم مذکور ہوتا ہے، سنت رسول کو اس کے لیے حجت و بیان خیال کرتے ہیں، وہ قرآن کریم کے ظاہر کو ظاہر سنت پر ترجیح دیتے ہیں،۔

چنانچہ انہوں نے اس آیت کریمہ:

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً [2]

کی وجہ سے گھوڑے کو حرام قرار دیا ہے، جب کہ بعض احادیث میں بصراحت اس کی حلت مذکور ہے۔

ہاں! اگر کوئی دوسرا امر بھی سنت کا موید ہو تو ایسی صورت میں ظاہر سنت کو ظاہر کتاب پر مقدم کرتے ہیں جیسے آیت کریمہ

وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ [3]

سے ظاہر ہے کہ پھوپھی بھتیجی کو نکاح میں جمع کیا جا سکتا ہے، جب کہ صریح سنت میں پھوپھی بھتیجی کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت مذکور ہے، یہاں اجماع اس سنت کا موید ہے، کہ جمع مبین المرأۃ و عمتھا" حرام ہے، لہذا امام مالک نے پھوپھی اور تیجی کو نکاح میں جمع کرنا حرام قرار دیا ہے۔ حضرت امام مالک قبول روایت میں بہت شدت برتتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ کا سلسلہ اسناد قوی ترین سلسلہ اور بقول بعض محدثین "السلسۃ الذھبیۃ یعنی سونے کی کڑی ہے۔ آپ فرماتے تھے، چار شخصوں سے علم نہ لیا جائے!

Vol. 7 No.1 2024

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

(۱) بیوقوف

(۲) ہواپرست سے جو بدعتی ہو

(۳) جھوٹے ہے جو لوگوں کی باتوں میں جھوٹ گڑھتا ہے، اگرچہ حدیث رسول میں جھوٹ نہ بولے

(۴) اور ایسے شیخ سے جو فضیلت، صلاح اور عبادت رکھتے ہوں بہنا۔ یہ نہ جانہیں کہ کون حدیث بیان کی جائے کون نہ بیان کی جائے۔

آپ کے اس قول سے ظاہر ہے، کہ رجال حدیث میں کون کون سی شرطیں پائی جانی چاہئیں، چنانچہ ان کے نزدیک عدالت شرط ہے، وہ غیر عادل سے حدیث قبول نہیں کرتے، مجہول سے حدیث قبول نہیں کرتے، احمق تقی سے حدیث قبول نہیں کرتے، ایسے عابد سے حدیث قبول نہیں کرتے جو امور کو صحیح میزان پر نہ تول سکے، ایسے فرقے کے لوگوں سے حدیث قبول نہیں کرتے جو بدعتی ہو کیوں کہ ممکن ہے، کہ وہ رسول اللہ کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کر دیں جو آپ صلی این تیم نے نہ کہی ہو، ایسے شخص سے حدیث قبول نہیں کرتے، جو حدیث کے معنی و مفہوم، غایت و مقصود سے واقف نہ ہو اور یہ نہ جانتا ہو کہ کیا روایت کرے کیا نہ کرے؟

فتاوائے صحابہ:

حضرت امام مالک اپنے ابتدائی زمانہ تعلیم ہی سے صحابہ کرام کے قضایا، فرادی اور ان مسائل کے احکام کی طرف راغب تھے، جن کا انہوں نے استنباط کیا تھا، خصوصاً حضرت عبداللہ بن عمر کے فتاوی کی تحصیل کا شوق حرص کی حد تک پہنچا ہوا تھا، چنانچہ دوپہر کی کڑی دھوپ میں ابن عمر کے شاگرد خاص حضرت نافع کی راہ تکتے تاکہ ان سے حضرت عبداللہ بن عمر کے اقوال معلوم کریں، اسی طرح حضرت عمر بن خطاب کے قضایا کی معرفت کے بھی حریص تھے، انہوں نے مدینہ کے فقہائے سبعہ کی فقہ حاصل کی، اپنے اخلاف کو حدیث رسول کے ساتھ صحابہ کرام کے اف، معارف، فتاوے اور ان کے قضایا کی تعلیم دی، حیات مالک کے تتبع کے بعد ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، کہ جس منہاج علم پر انہوں نے مسائل کا استخراج اور احکام کا استنباط کیا اس حدیث رسول کے ساتھ صحابہ کے اقضیہ و فتاوی بھی ہیں۔

حضرت امام مالک کی شہرہ آفاق کتاب'' مؤطا'' کے مطالعہ سے آشکار ہوتا ہے، کہ آپ نے احادیث رسول سیل مینی پیلم کے ساتھ صحابہ کے فتاوی اور قضایا سے بھی اس کتاب کو مزین کیا ہے اور احادیث رسول کی طرح ان فتاوی کو دین کی اصل قرار دے کر قابل عمل بتایا ہے، ذیل میں دو مثالیں ملاحظہ ہوں!

(1) ان عمر بن الخطاب قال فی رجل اسلف رجلا بعاما علی ان یعطیہ ایاہ فی بلد آخر فکرہ ذلک عمر بن الخطاب و قال فاین الحمل یعنی حملانہ و تری من ھذا ان مالکا منع ذلک النوع من الشروط اعتمادا علی فتوی عمر ھذہ موطا میں ہے مالک کے پاس خبر پہنچی کہ عمر بن خطاب نے مکروہ قرار دیا ہے، کہ کوئی شخص کسی کو اناج کے لیے اس شرط پر پیشگی رقم دے کہ بائع دوسرے شہر میں اس کو اناج سپرد کر دیگا حضرت عمر نے فرمایا کہ اس کی بار برداری کی اجرت کہاں ہے؟ امام مالک نے حضرت عمر کے اس فتوی پر اعتماد کرتے ہوئے اس شرط سے منع فرمایا ہے۔

(۲) مؤطا میں ہے مالک کے پاس خبر پہنچی، کہ ایک شخص عبداللہ بن عمر کے پاس آیا اور کہا اے ابو عبدالرحمن! میں نے ایک شخص کو قرض دیا اور یہ شرط لگائی کہ وہ اس سے افضل مجھے دے، تو عبداللہ بن عمر نے کہا، یہ ربا ہے تو اس نے کہا، اے ابو عبدالرحمن! آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟

عبداللہ بن عمر نے کہا، قرض کی تین صورتیں ہیں

(۱) وہ قرض جس کے ذریعہ تم اللہ کی خوشنودی چاہو، تو تمہارے لیے اس کی رضا ہے.

(۲) وہ قرض جس کے ذریعہ تم اپنے دوست کی خوشنودی چاہو.

(۳) وہ قرض جس کے ذریعہ تم طیب کو خبیث کے بدلے لو، تو یہ ربا ہے۔ اس نے کہا، اب میرے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟ اے ابو عبدالرحمن! انہوں نے کہا، میرا خیال ہے، تم عہد نامہ چاک کر دو، اگر وہ تمہیں اسی کے مثل ادا کرے جیسا کہ تم نے پہلے اسے دیا تھا، یا اس سے حقیر دے تو اسے لے لو تمہیں اس کا اجر ملے گا اگر وہ بطنیب خاطر اس سے افضل دے تو یہ شکریہ ہے، جو اس نے تیرے لیے ادا کیا اور تیرے لیے اس کا اجر ہے کہ تو نے انتظار کیا۔

مام مالک نے اس نظریہ پر عمل کیا اور فرمایا، کہ جس نے قرض میں اپنے عطیہ سے زیادہ یا اچھا دینے کی شرط لگائی، تو یہ قرض باطل ہے اور مقروض جو ادا کرے قرض دینے والا اسے لے لے رہتر یہ ہے کہ مدت مقررہ تک رکا رہے، مدت ختم ہونے کے بعد لے تاکہ شرط باطل ہو جائے۔ ہوں تو ائمہ اربعہ فتاوائے صحابہ پر اعتما در رکھتے تھے لیکن صحابہ کے فتاوی اور قضایا کو جو اہمیت امام مالک اور احمد بن عنبل دیتے تھے وہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک حاصل تھی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل نے فتاوائے صحابہ کو اپنے اجتہاد کا رکن قرار دیا ہے اور ان پر اپنی فقہ کی تخریج کی ہے، انہوں نے کسی قید اور عدد و غیرہ کی شرط کے بغیر فقادائے صحابہ کو قابل عمل سمجھا

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

ہے، صحابہ میں اختلاف رائے کی صورت میں اکثر کی رائے پر عمل کیا ہے۔امام مالک اقوال صحابہ کو مصدر فقہ، حجت اور سنت نبویہ کا ایک شعبہ مانتے تھے، یہی وجہ ہے کہ خبر آحاد کے مقابلہ میں قول صحابہ کو ترجیح دیتے اور خبر کو چھوڑ دیتے، چنانچہ اس کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں!

حالت احرام میں پچھنا لگوانے سے متعلق حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے ان المحرم لا یحتجم من غیر ضرورۃ محرم بغیر ضرورت پچھنا نہ لگوائے، حضرت امام نے اس پر اعتماد کیا اور ابن عمر کے اس قول کو مندرجہ ذیل خبر واحد پر ترجیح دی: امام شافعی کی کتاب "الام میں ہے میں نے امام شافعی سے محرم کے لیے پچھنا لگوانے کے بارے میں پوچھا، تو انہوں نے کہا، وہ پچھنا لگوائے اور سر نہ منڈائے اور بغیر ضرورت کے پچھنا نہ لگوائے، میں نے کہا اس کی کیا دلیل ہے فرمایا ہمیں مالک عن یحیی بن سعید عن سلمان بن یسار خبر دی کہ نبی کریم ساِلی یا کہ ہم نے حالت احرام میں پچھنا لگوایا تو میں نے کہا، کہ ہم تو کہتے ہیں، کہ پچھنا نہ لگوائے مگر جب کہ ضرورت ہو اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو امام مالک بھی یہی فرماتے ہیں۔[4]

اس موقع پر امام مالک نے عبداللہ بن عمر کے قول کو لیا اور دوسری روایت ترک کر دی حالاں کہ خود اس کے راوی بھی حضرت مالک ہی ہیں، ایک روایت کو ترک کر کے دوسرے کو اختیار کرنا اسی بنیاد پر ہے کہ ابن عمر کا قول ان کے نزدیک سنت ہے۔ دوران حج محرم کے لیے احرام کھولنے سے پہلے خوشبو لگانے سے متعلق حضرت امام مالک سند متصل سے روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم سی منی کی اہم خوشبو لگاتے تھے لیکن انہوں نے اپنی اس خبر کے بر خلاف اس کے مکروہ ہونے کا فتوی دیا ہے اور اس سلسلے میں حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے احرام کھولنے سے پہلے خوشبو لگانے سے منع فرمایا ہے، یہ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ حضرت عمر سنت رسول کے بچے ناقل ہیں۔ یہاں کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ امام مالک قول صحابی کو خبر رسول پر مطلقا ترجیح دیتے تھے، بلکہ آپ کے پاس دو مختلف روایتیں آتیں تو ان میں سے اوثق واصدق کو لے لیتے اور دوسری کو رد کر دیتے تھے۔[5]

اجماع:

یوں تو ائمہ اربعہ نے اجتماع کا اعتبار کیا ہے، لیکن امام مالک نے اس کا اعتبار دیگر ائمہ سے بڑھ چڑھ کر کیا ہے، وہ اجماع کے ذریعہ حجت پیش کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ فتوی دینے کو سند قرار دیتے ہیں، آپ موطا کا مطالعہ کریں، تو بہت سی جگہوں پر نظر آئے گا، کہ امام مالک نے قضیہ سے متعلق حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے "انہ الامر المجتمع علیہ یہ ایسا امر ہے، جس پر اجماع ہے۔ ذیل میں اس کی دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

امام مالک نے موطا میں علاتی بھائی بہنوں کی میراث سے متعلق تحریر فرمایا:

الامر المجتمع عليه عندنا ان ميراث الاخوة للاب اذا لم يكن معهم احد من بنى الاب والام كمنزلة الاخوة للاب والام سواء ذكرهم كذكرهم وانثاهم كانثاهم لا يشركون مع بني الام في الفريضة التى شركهم فيها بنو الاب والام لانهم خرجوا من ولادة الام التي جمعت اولئك [6]

یعنی ہمارے نزدیک اجماعی امر ہے، کہ علاتی بھائیوں اور بہنوں کے ساتھ حقیقی بھائی بہن میں سے کوئی نہ ہو، تو ان کی میراث کا مسئلہ حقیقی بھائی بہن کی طرح ہے، علاتی بھائی بہن، حقیقی بھائی بہن کی منزل میں ہوں گے، علاتی بھائی بہن اس حصے میں اخیافی بھائی بہن کے شریک نہ ہوں گے جس میں حقیقی بھائی بہن اخیافی بھائی بہن کے شریک ہیں، اس لیے کہ علاتی بھائی بہن اس ماں کی ولادت سے خارج ہیں، جس میں وہ سب جمع ہیں۔

(۲) مؤطا میں اس بیع سے متعلق جس میں جملہ عیوب سے براءت کی شرط لگائی گئی ہو، امام مالک لکھتے ہیں:

الامر المجتمع علیہ عندنا فی من باع عبدا او ولیدۃ او حیوانا بالبراءۃ فقد برئ من کل عیب فیما باع الا ان یکون علم فی ذلک فلتمہ فان کان علم عیبا فکتمہ ینفعہ تبرأتہ وکان ما باع مردودا علیہ۔

ہمارے نزدیک یہ اجتماعی امر ہے، کہ اگر کسی نے غام، باندی یا کوئی جانور اس شرط کے ساتھ بیچا، کہ مبیع ہر عیب سے پاک ہے، تو وہ جمیع کے عیب سے بری ہو جائے گا، لیکن اگر اس نے عیب جانتے ہوئے، چھپایا تو کتمان عیب براءت میں اس کے لیے مفید نہ ہو گا اور مبیع کو لوٹا دیا جائے گا۔[7]

مذکورہ بالا دونوں اقتباسات سے ظاہر ہے، کہ امام مالک اجماع سے دلیل پیش کرتے ہیں اور اس کی طرف المجتمع علیہ عندنا سے اشارہ کرتے ہیں، امام مالک کے اس قول کی مراد ترتیب المدارک ص ۳۴ میں اس طرح بیان کی گئی ہے "وماکان فیہ الامر المجتمع علیہ فھو ما اجتمع علیہ قول اھل الفقہ والعلم ولم یختلفوا فیہ۔ یعنی وہ مسئلہ جس میں امر مجمع علیہ ہے وہ ہے جس پر اہل علم وفقہ کا قول متفق ہے اور اس میں انہوں نے اختلاف نہیں کیا ہے۔ شرح استیج میں اس تعلق سے مرقوم ہے، امر مجتمع علیہ اس امت کے اہل حل وعقد کا کسی امر میں متفق ہونا ہے، اتفاق سے ہماری مراد قول یا فعل یا اعتقاد میں اشتراک ہے اور اہل حل وعقد سے مراد احکام شرعیہ کے مجتہدین ہیں۔ مذکورۃ الصدر دونوں عبارتوں سے مفہوم ہوتا ہے، کہ اجماع اہل علم وفقہ اور مجتہدین کے اتفاق کا نام ہے، قرانی نے تنقیح الاصول" میں اجماع کو مکمل اہل مدینہ سے الگ مستقل حجت

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

شمار کیا ہے، امام غزالی نے استصفی " میں فرمایا ہے، کہ اجتماع اہل مدینہ کا اجماع ہے، شیخ علیش نے بھی اپنے فتاوی میں تصریح فرمائی ہے، کہ: ان مالکا یعتبر اتفاق اھل المدینۃ اجماعا یکون حجۃ امام مالک اجماع اہل مدینہ کے اتفاق کو قرار دیتے ہیں۔ بہر کیف امام مالک نے اجماع کو حجت قرار دیا ہے اور ان مسائل میں جن میں قابل اعتماد نص نہ ملی یا ایسی نص ملی، جو محتاج تفسیر تھی یا آیت کا ظاہر احتمال و تخصیص کا قابل تھا، ان میں اجماع کو دلیل شرعی بنایا ہے۔

عمل اہل مدینہ حضرت امام مالک اہل مدینہ کے عمل و فقہی صدر مجھے اور اپنے فتاوی میں ان پر کامل اعتماد کرتے عمل اہل مدینہ امام مالک کی فقہ کا پانچواں اصول ہے، انہوں نے لیث بن سعد کے پاس ایک خط لکھا، جس میں انہیں اہل مدینہ کے عمل کی ترغیب دی اور اس کے ترک پر تنبیہ فرمائی، ذیل میں اس خط کا ایک حصہ ہم نقل کرتے ہیں، یہ خط تعامل اہل مدینہ پر ان کے اعتماد واثق کا بین ثبوت ہے۔ لکھتے ہیں:

اللہ آپ پر رحم فرمائے معلوم ہو کہ مجھے خبر ملی ہے، کہ آپ لوگوں کو مختلف ایسے فتاوی دیتے ہیں، جو ہمارے نزدیک لوگوں کے مسلک کے خلاف اور جس شہر (مدینہ) میں ہم ہیں، اس کے عمل کے مخالف ہوتے ہیں، آپ اپنے شہر والوں میں امانت، فضیلت اور علوے مرتبت رکھتے ہیں، وہ لوگ آپ کے محتاج ہیں، آپ کے قول پر انہیں اعتماد ہے، آپ کے لیے مناسب ہے، کہ اس کا اتباع کریں، جس کی پیروی میں نجات کی امید ہے، اللہ تعالی اپنی کتاب عزیز میں ارشاد فرماتا ہے:

وَالسَّبِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ [8].

اور فرماتا ہے:

فَبَرْ عِبَادِ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ[9].

بے شک لوگ اہل مدینہ کی پیروی کرنے والے ہیں رسول اللہ صلی شالی تم نے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی وہاں قرآن نازل ہوا وہیں پر حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیا گیا، رسول اللہ کی نہ ہی ام ان کے درمیان تشریف فرما ہوتے، وہ لوگ وحی و تنزیل کے دوران بارگاہ رسول میں حاضر رہتے، رسول اللہ صل نہ تم انہیں حکم دیتے وہ حکم مانتے، شریعت کی باتیں بتاتے وہ اتباع کرتے، یہاں تک کہ سرکار پردہ فرما گئے اور اللہ کی رحمت و برکت اور صلوۃ وسلام نے انہیں ڈھانپ لیا۔ پھر آپ کے بعد آپ کی امت اپنے درپیش معاملہ میں نازل ہونے والی کتاب کی پیروی کرنے لگی لوگوں کو جو علم تھا، اس پر عمل کیا اور جو معلوم نہ ہوا اس کے بارے میں سوال کیا، پھر لوگوں نے جسے اپنے زمانے کے لیے مسائل میں اجتہاد میں اقوی پایا، اس کے قول کو اختیار کیا اگر کسی مخالف نے ان کی مخالفت کی یا اس سے اقوی واولی شخص نے کوئی بات کہی تو پہلے کے قول کو ترک کر دیا۔[10]

امام مالک کے اس خط سے ظاہر ہے، کہ آپ اہل مدینہ کے قول کو لازم الاختیار سمجھتے تھے کے علاوہ کے قول کو جو ان کے قول و عمل کا مخالف ہوتا، ترک کر دیتے تھے، اس کی وجہ انہوں نے خود بیان کی، کہ وہ بارگاہ رسول کے حاضر باش، عہد رسول سے قریب، حیات رسول کے چشم دید اور سنت رسول سے واقف تھے، اس لیے وہ اسلام اور سنت رسول کریم کو زیادہ جانتے تھے، ان کے قول پر عمل سنت رسول پر عمل کا درجہ رکھتا ہے۔ حضرت امام مالک کا اعتماد عمل اہل مدینہ پر اس قدر بڑھا ہوا تھا، کہ بعض اوقات اہل مدینہ کے عمل کو خبر آحاد پر مقدم کرتے اور فرماتے یہی مشہور رائے اہل مدینہ کا معمول ہے اور یہی مشہور و منقول سنت ہے۔ سنت مشہورہ خبر آحاد پر مقدم ہوتی ہے، یہ تنہا امام مالک کا مسلک نہ تھا، بلکہ آپ سے پہلے دوسرے چند علما اس منہج پر مل کر چکے تھے، امام مالک کے استاذ حضرت ربیعہ رائی کہتے ہیں: الف عن الف خیر من واحد عن واحد ہزار کی ہزار سے روایت ایک کی ایک کی روایت سے بہتر ہے۔

امام مالک کا بیان ہے:

متعدد اہل علم اور تابعین ایسی حدیثیں بیان کرتے، جن سے ہم ناواقف ہوتے لیکن عمل ان کے خلاف ہو رہا تھا، میں نے محمد بن ابو بکر عمرو بن حزم کو دیکھا، وہ قاضی تھے، ان کے بھائی عبد اللہ کثیر الحدیث اور بچے مرد تھے، میں نے سنا کہ جب محمد کسی ایسے قضیہ کا فیصلہ کرتے جس سے متعلق حدیث وارد ہوتی اور وہ حدیث ان کی قضا کی مخالف ہو جاتی، عبد اللہ ان پر عتاب فرماتے اور کہتے کیا اس سلسلے میں یہ حدیث نہیں آئی ہے؟ محمد کہتے، کیوں نہیں عبد اللہ کہتے تو پھر آپ اس کے ذریعہ فیصلہ کیوں نہیں فرماتے اس پر محمد کہتے:

فاين الناس عنه يعنى ان ما اجمع عليه الصلحاء بالمدينة فالعمل به اقوى

لوگوں کا کیا ہوگا، یعنی مدینہ کے مصلحیانے جس پر اتفاق کر لیا ہے، اس پر عمل اقوی ہے۔ معلوم ہوا، کہ خبر آحاد پر عمل اہل مدینہ کو ترجیح دینے کا مسلک امام مالک کا ایجاد کردہ نہیں ہے، بلکہ آپ سے پہلے اہل علم اور تابعین بھی اس مسلک پر عمل پیرا ہو چکے ہیں لیکن چوں کہ وروں کی بہ نسبت امام مالک نے عمل اہل مدینہ پر اعتماد زیادہ کیا ہے اور اسے اپنے فتاوی میں۔ بکثرت بطور حجت پیش کیا ہے اور آپ کے بعض فتاوی خبر واحد کے خلاف مدون ہیں، اس لیے لوگوں نے آپ کو احتجاج بعمل اہل مدینہ کا موجد خیال کر لیا ہے، حالاں کہ آپ اس میں متبع ہیں۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

قیاس:

حضرت امام مالک پچاس سال سے زائد عرصہ تک افتامیں مشغول رہے، زمین کے مشرق سے مغرب تک حاجت منداستفتاکے لیے آپ کی بارگاہ کا قصد کرتے، دن بدن ختم نہ ہونے والے نت نئے مسائل رونما ہوتے، ایسی صورت میں ضرورت تھی، فہم نصوص اوران کے معانی قریبہ وبعیدہ کی معرفت کی، تاکہ ایسے مسائل جن کا حل ظاہر نص، سنت مشہورہ اور فتاواے صحابہ میں موجود نہ ہو ان کا شرعی حکم معلوم ہو سکے، چنانچہ اس مقصد خیر کے لیے امام مالک جیسے فقیہ کے لیے ضروری ہو گیا، کہ قیاس کا سہارا لیں۔

قیاس فقہ اسلامی میں کسی ایسے امر کو جس کا حکم منصوص نہ ہو کسی علت جامعہ مشترکہ کی وجہ سے دوسرے ایسے امر کے ساتھ لاحق کرنے کا نام ہے، جس کا حکم منصوص ہو ان دونوں امروں میں تماثل کی وجہ سے ایک کے حکم کی معرفت دوسرے کے حکم کی معرفت کو لازم کرتی ہے۔ قیاس کی تعلیم خود پیغمبر اسلام ملا نہ ہی ہم نے دی ہے، چنانچہ مروی ہے، کہ حضرت عمر بن خطاب می کنزنے بارگاہ رسول میں عرض کی، یارسول اللہ! میں ایک بڑا کام کر گیا، میں نے روزے کی حالت میں بوسہ لے لیا، رسول اللہ صلی نیا کی تم نے ارشاد فرمایا، تمہارا کیا خیال ہے، اگر تم نے بحالت روزہ پانی سے کلی کرلی، حضرت عمر نے عرض کی، میں اس میں کوئی حرج نہیں جانتا، حضور سی کریم نے فرمایا: "فصم" تو تم روزہ پورا کرلو۔[11]

دیکھا آپ نے رسول اللہ سی بی ایم نے روزہ کی حالت میں کلی کرنے اور بوسہ لینے کے درمیان ربط بیان کیا اور دونوں کی مماثلت پر تنبیہ فرما کر دونوں کے حکم کو مساوی قرار دیا، کہ جس طرح محض کلی سے روزہ نہیں جاتا محض بوسہ سے بھی روزہ نہ ٹوٹے گا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین نے جن مسائل کو نصوص ظاہرہ میں نہ پایا، استخراج احکام کے لیے انہیں بعض دوسرے نصوص پر اشیاے متماثلہ کے اندر حکم میں تساوی کی وجہ سے محمول کیا،

چنانچہ علامہ مزنی لکھتے ہیں:

الفقهاء من عصر رسول الله الى يومنا استعملوا المقايس في جميع الاحكام في امر دينهم واجمعوا على ان نظير الحق حق ونظير الباطل باطل فلا يجوز لاحد انكار القياس لانه تشبيه بالامور والتمثيل عليها[12]

رسول اللہ سی ایم کیو ایم کے زمانے سے اب تک فقہانے دینی معاملات کے اندر تمام احکام میں قیاس کا استعمال کیا ہے اور اس بات پر اتفاق کیا ہے، کہ حق کی نظیر حق اور باطل کی نظیر باطل ہے، لہذا کسی کے لیے قیاس سے انکار جائز نہ ہو گا کیوں کہ قیاس امور کی تشبیہ اور ان کی تمثیل ہے۔ امام مالک اس مسلک صحابہ کے راہ رو تھے، علت پائے جانے میں اشیاکے تماثل کے وقت حکم میں ان کے درمیان تساوی کو اختیار کرتے، مالکیوں نے اتفاق کیا ہے، کہ آپ قیاس کا سہارا لیتے تھے، ہم دیکھتے ہیں، کہ بعض مسائل جن کے احکام فتاواے صحابہ میں موجود ہیں ان پر آپ نے بعض دوسرے مسائل کو قیاس کیا ہے۔ چنانچہ اس کی ایک مثال ملاحظہ ہو! حضرت امام مالک نے مفقود شوہر جس کی موت کا حکم لگادیا گیا اور اس کی بیوی نے وفات کی عدت گزار کر دوسرے شخص سے شادی کرلی، پھر مفقود کا زندہ ہونا معلوم ہو گیا، تو اس کی بیوی کے حال کو اس عورت کے حال پر قیاس کیا ہے، جس کے شوہر نے اسے طلاق دے دی اور اپنی بیوی کو طلاق کے بارے میں بتادیا پھر رجعت کرلی اور رجعت کا علم بیوی کو نہ ہوا اور بیوی نے عدت گزارنے کے بعد دوسرے سے شادی کرلی، حضرت امام مالک نے مفقود کی بیوی کے حال کو مطلقہ پر اس لیے قیاس کیا کہ مطلقہ کے بارے میں حکم دیا ہے، کہ وہ دوسرے شوہر کی بیوی ہے، اگرچہ اس نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، علت جامعہ کی بنیاد پر امام مالک نے مفقود کی بیوی کوں پر قیاس کر کے فرمایا، کہ وہ دوسرے شوہر کی بیوی ہے، اگرچہ اس نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو۔[13]

حضرت امام مالک کے مذکورہ بالا قیاس کی اساس دونوں کے حالوں کے درمیان مماثلت ہے، بایں طور کہ ان دونوں نے شرعی طریقے پر ثابت شرعی علم کی بنیاد پر حسن نیت کے ساتھ شادی کی لیکن اس کے بعد اس کی خطا ظاہر ہوئی اور اس کے ظہور سے پہلے خطا کی معرفت کا کوئی طریقہ سیقی مفقود کی بیوی نے حکم شرعی کی اساس پر شادی کی اور مطلقہ نے طلاق اور انتہاے عدت کی بنا پر شادی کی، مفقود کی بیوی کے لیے اس کی زندگی کی معرفت کا کوئی راستہ نہ تھا اور مطلقہ کے لیے رجعت کی معرفت کی کوئی راہ نہ تھی، اس طرح دونوں کے حال متماثل تھے، اس مماثلت کی وجہ سے دونوں پر حکم بھی ایک لگایا گیا۔

حضرت امام مالک تماثل پائے جانے پر قرآن وسنت میں منصوص احکام اور فتاداے صحابہ، اجماع عمل اہل مدینہ میں مذکور امور پر قیاس کر کے مسائل کا استنباط فرماتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ قیاس کے ذریعہ مستنبہ مسائل پر بھی قیاس کرتے تھے، چنانچہ ابن رشد لکھتے ہیں: اذا علم الحکم فی الفروع صار اصلا وجاز القیاس علیہ بعلۃ اخری مستنبطۃ منہ ایضا فثبت الحکم فیہ فصار اصلا وجاز القیاس علیہ الی مالا نھایۃ لہ. جب حکم فروع میں معلوم ہو تو وہ اصل ہو گا اس پر اس سے مستنبط ہونے والی دوسری علت کی وجہ سے قیاس جائز ہو گا اور اس میں حکم ثابت ہو گا وہ بھی اصل ہو جائے گا اور اس پر بھی قیاس جائز ہو گا یہ سلسلہ لانہایہ تک جاری ہو گا۔[14]

استحسان :

ISSN Online: 2709-7625

ISSN Print: 2709-7615

استحسان اسکی دلیل شرعی کو کہتے ہیں، جو قیاس جلی کی مخالف ہوتی ہے، جس میں تعامل ناس اور لوگوں کے اجماع کی وجہ سے قیاس کو ترک کر دیا جاتا ہے، اس کا مقصود لوگوں سے مضرت کو دور کرنا، دفع حرج اور پاس مصلحت ہے، اگر کوئی ایسا امر در پیش ہو، کہ شریعت سے اس کے جواز کا ثبوت نہ ملتا ہو اور عدم جواز کی صورت میں لوگوں کا نقصان اور مصلحت کا فقدان ہو تو ایسی صورت میں امام مالکہ قیاس کو چھوڑ کر استحسان پر فتوی دیتے ہیں، وہ فقیہ وقت اور امام الادار الہجرت تھے، دین کی روح سے انہیں کامل واقفیت تھی، دین لوگوں کے دنیاوی واخروی مصالح کے پیش نظر آیا تھا، لہذا استحسان پر عمل اور قیاس کے ترک کو دین کا مغز اور فقہ دین کی اصل قرار دیتے تھے۔

قرآن حکیم میں ہے۔

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ،[15]

اور دین میں تم پر درج نہیں رکھا۔

يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ :[16]

اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں۔ رسول رحمت سایتی ہونے فرمایا "لاضرر ولا ضرار "نہ خود مشقت میں مبتلا ہو اور نہ دوسروں کو مشقت میں ڈالو۔ خلیفہ دوم حضرت عمر بن خطاب بھی ان کے فتاوی اور قضایا میں بھی استحسان کی مثال موجود ہے، چنانچہ مسئلہ ہے، کہ حقیقی بھائیوں کو تعصیب) عصبہ ہونے) کی بنیاد پر میراث ملتی ہے۔ اگر ورثہ میں تقسیم میراث کے بعد کچھ بھی نہ بچے، جو بطور عصبہ انہیں مل سکے، تو ایسی صورت میں ضرت عمر نے استحسان پر عمل کیا ہے۔ اس کی مثال ملاحظہ ہو ! میت نے شوہر، ماں، دو اخیافی بھائی اور دو حقیقی بھائی چھوڑے، تو قیاس کے مطابق اس صورت میں شوہر کو نصف، ماں کو سدس، اخیافی بھائیوں کو ثات اور حقیقی بھائیوں کو کچھ بھی نہ ملے گا، حالاں کہ وہ بھی ماں کی اولاد ہیں، ماں کے ذریعہ میت کے قریبی رشتے دار ہیں، یہ ایک عجیب بات ہوتی، اگر انہیں میراث سے کچھ بھی نہ دیا جاتا اور اخیافی بھائیوں کو ثالث مل جاتا اسی وجہ سے حضرت عمر نے اولاد ام کا اعتبار کر کے اخیافی بھائیوں کے ثلث میں ان حقیقی بھائیوں کو بھی شریک کیا، حضرت عمر کے اس فتوی کی دلیل استحسان ہے۔[17]

دین کی اسی روح کے اقتضا کے پیش نظر امام مالک استحسان پر فتوی دیتے تھے، آپ استحسان کو تسعۃ اعشار العلم سمجھتے تھے، چنانچہ شاطبیؒ الموافقات" میں اصبغ سے نقل کرتے ہیں، کہ انہوں نے کہا:

سمعت ابن القاسم يقول ويروى عن مالك انه قال تسعة اعشارا لعلم الاستحسان[18]

میں نے ابن قاسم کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ حضرت مالک سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے فرمایا علم کے دس حصوں میں سے نو حصے استحسان ہیں۔ ذیل میں ہم چند مسائل لکھتے ہیں، جن میں امام مالک نے استحسان پر فتوی دیا ہے:

(1) قرض جو اصل میں رہا ہے، اس لیے کہ وہ مقررہ مدت تک درہم سے درہم کے مبادلے کا نام ہے، اسے امام مالک نے مباح قرار دیا ہے، اس لیے کہ اس کی اباحت ہی میں لوگوں کے لیے آسانی اور گنجائش ہے، اگر رہا کا اعتبار کر کے اس کی اصل "منع" پر باقی رکھتے تو لوگ حرج میں پڑ جاتے۔

(۲) لوگوں کے ستر کو دیکھنا حرام ہے، دو علاج کے لیے دیکھنا امام مالک نے حلال قرار دیا ہے، کیوں کہ اگر حلت کا فتوی نہ دیا جاتا، بلکہ اصل قاعدے حرمت کا اعتبار کیا جاتا تو لوگوں کے لیے حرج لازم آتا، لہذا استحسانا اباحت کا فتوی دیا۔

(۳) قاعدہ شرعیہ ہے، کہ گواہ غیر عادل ہو تو اس کی گواہی قبول نہ کی جائے گی لیکن امام مالک نے اس شہر میں جہاں کوئی عادل نہ پایا جاتا ہو استحسان پر عمل کرتے ہوئے شاہد غیر عادل کی گواہی قبول فرمانے کا حکم دیا ہے، کیوں کہ اگر اصل قاعدہ پر فتوی دیتے تو لوگوں کو مشقت کا سامنا کرنا پڑتا۔[19]

استصحاب کسی چیز کو اس کی پہلی حالت پر رکھنا اس کے خلاف دلیل نہ پائے جانے کی وجہ سے استصحاب کہلاتا ہے، بالفاظ دیگر ماضی میں کسی چیز کے جواز یا عدم جواز کے حکم کا بطور دوام و استمرار اس وقت تک باقی رہنا جب تک کہ اس کا حکم بدلنے والی کوئی دلیل نہ پالی جائے، جیسے اسباب ملکیت میں سے کسی سبب مثلا بیج یا میراث وغیرہ کے ذریعے کسی کے لیے ملکیت ثابت ہو جائے تو یہ ثبوت ملکیت مستمر ہو گا حتی کہ اس کو زائل کرنے والی کوئی دلیل قائم ہو جائے۔

حضرت امام مالک نے استصحاب کو فقہی استنباط کی ایک اصل اور حجت قرار دیا ہے اور متعدد مسائل میں استصحاب کو دلیل بنایا ہے، ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں ! کوئی شخص مفقود ہو گیا اور اب یہ نہیں معلوم کہ زندہ ہے یا مر گیا، تو ایسی صورت میں امام مالک فرماتے ہیں، کہ اسے اس وقت تک اس کی پہلی حالت حیات میں مانا جائے گا اور اسے زندوں کا حکم دیا جائے گا، جب تک کہ اس کی وفات پر کوئی دلیل نہ پالی جائے یا ایسی نشانیاں قائم ہو جائیں، جن کی بنیاد پر اس کے مرنے کا غالب ظن ہو جائے اور قاضی اس کی وفات کا حکم لگا دے، اس کے فقد (گم ہونا) اور موت کے حکم کے درمیانی عرصہ میں بھی اسے زندوں ہی کے حکم میں رکھا جائے گا، زندوں کے حکم میں رکھنے کا مطلب یہ ہے اس کے مورث کی میراث سے اسے حصہ دیا جائے گا اور اس کی جائداد اس کے ورثہ پر تقسیم نہ ہو گی وغیرہ وغیرہ۔

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

کسی نے شکار پر تیر چلایا، شکار پانی میں بھاگا، پھر اسے پانی میں ڈوبا ہوا پایا گیا، تو ایسی صورت میں امام مالک فرماتے ہیں، کہ یہ شکار حرام ہے، کیوں کہ حضور سہتی ہو نے فرمایا: وان وجدتہ غریقا فلا تاکلہ فانک لاتدری الماء قتلہ ام سھمک. اگر تم اسے ڈوبا ہوا پاؤ تو اسے نہ کھاؤ کیوں کہ تم نہیں جانتے کہ پانی نے اسے ہلاک کیا ہے یا تمہارے تیر نے۔ امام مالک فرماتے ہیں، کہ اصل ذبائح میں تحریم ہے اور یہاں شک ہے کہ مبیح (حلال کرنے والی) شرط پائی گئی یا نہیں لہذا اصل پر باقی رکھتے ہوئے جانور کو حرام گردانا جائے گا۔

(۳) کسی کو شک ہوا، کہ اسے حدث لاحق ہوا ہے یا نہیں؟ تو امام مالک فرماتے ہیں، کہ وہ اس وقت تک نماز نہ پڑھے جب تک کہ دوسرا وضو نہ کر لے کیوں کہ بقائے طہارت بھی یہاں پائی جاتی ہے اور بقائے ذمہ صلوۃ بھی، یہاں دوسری بقا کو ترجیح دیں گے، اس لیے کہ شک کی بنیاد پر اس کے لیے نماز نہ پڑھنا اولی ہے۔ مصالح مرسلہ

اسلامی قانون اور فقہ میں بندوں کی مصلحت کا پاس و لحاظ رکھا گیا ہے، جس چیز میں منفعت نظر آئی، اسے جائز قرار دیا گیا اور جس میں مضرت پائی گئی، اس سے روک دیا گیا، یہی وجہ ہے، کہ آپ دیکھتے ہیں، کہ ایک ہی چیز کسی حالت میں مصلحت نہ ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوتی ہے اور وہی بھی دوسری صورت میں مصلحت کے پیش نظر جائز و مباح ہوتی ہے، چنانچہ اس کی زندہ مثال مقررہ مدت تک درہم کا درہم سے مبادلہ ہے، کہ اگر یہ بطور بیع و فروخت ہو تو ممنوع ہے اور اگر بطور قرض ہو تو جائز ہے۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے مصلحت کا ثبوت ملتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيوٰةٌ أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ [20]

دوسرے مقام پر ہے:

إِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطَنُ أَن يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاء فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ الله وَعَنِ الصَّلٰوة :

(المائد (۹۱)

حدیث پاک میں ہے:

لا يقضى القاضي و هو غضبان.

دوسری حدیث میں ہے:

كل مسكر حرام.

ایک اور حدیث میں مصلحت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔ القاتل لا یرث صحابہ کرام اور خلفاے راشدین بھی مصلحت کو دلیل شرعی سمجھتے تھے، چنانچہ انہوں نے نبی کریم سالیسیاتی ہوکے پردہ فرمانے کے بعد بہت سے ایسے امور انجام دیے، آپ سلی کسی نیلم کے عہد مبارک میں جن کا وجود نہ تھا، انہوں نے قرآن کریم کو مصحف میں جمع کر دیا، جب کہ حضور کے زمانہ میں قرآن مصحف میں مکتوب نہ تھا، انہوں نے اس لیے ایسا کیا، کہ مصلحت قرآن کے جمع و تدوین کی مقتضی تھی، اگر قرآن کو جمع نہ کیا جاتا، تو خوف تھا، کہ حفاظ قرآن صحابہ کے مرنے کے بعد لوگ قرآن کو بھول جاتے۔ حضرت عمر بھی سنز نے مصلحتا پانی ملا ہوا دودھ گراد یا تا کہ پانی ملانے والے کی تادیب ہوا اور لوگ پانی نہ ملائیں وغیرہ وغیرہ۔ حضرت امام مالک نے صحابہ کے اسی مسلک پر چلتے ہوئے "مصالح مرسلہ کو ایک مستقل دلیل شرعی اور دینی اصل قرار دیا ہے اور آپ کے متعدد فتاوی مصالح مرسلہ کی رعایت کے ساتھ صادر ہوئے ہیں،

ذیل میں ہم دو مثالیں پیش کرتے ہیں:

(1) حضرت امام مالک نے مفضول کی بیعت کو جائز قرار دیا ہے، مفضول وہ شخص ہے، جس سے بہتر شخص پائے جانے کے باوجود اس کو خلیفہ بنا دیا گیا ہو، مفصول کی بیعت کے اس جواز میں مصلحت یہ ہے، کہ اگر اس کو باطل قرار دے دیا جائے تو بہت سے امور میں فساد اور خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ دنیا میں لوگوں کے منافع کے غارت ہونے کا خوف ہے اور ایک بہت بڑا خطرہ یہ ہے کہ اگر ایسے شخص کی بیعت نہ کی جائے تو ایک ساعت میں ایسے مظالم رونما ہو جائیں کئی سالوں میں جو دونما نہ ہو سکیں۔

(۲) جب بیت المال خالی ہو جائے یا لشکر کی ضرورتیں درپیش ہوں اور بیت المال میں بقدر کفایت مال نہ ہو تو حضرت امام مالک نے بادشاہ اسلام کے لیے جائز قرار دیا ہے، کہ وہ مالداروں پر اتنا وظیفہ مقرر کرے، جسے وہ کافی خیال کرے، یہاں تک کہ بقدر کفایت مال جمع ہو جائے، بادشاہ کے لیے مناسب ہے، کہ یہ وظیفہ غلہ کٹنے اور پھلوں کے توڑنے کے زمانے میں وصول کرے تا کہ اغنیا کے دلوں میں یہ وحشت پیدا نہ ہو کہ وظیفہ کے لیے انہیں کیوں خاص کیا گیا۔ اس میں مصلحت یہ ہے کہ اگر امام عادل ایسا نہ کرے تو اس کی شوکت باطل ہو جائے گی، اس کے دیار میں فتنوں کا بازار گرم ہو جائے گا اور دشمن اس پر استیلا کے لیے معرکہ آرائی پر تل جائے گا۔

Vol. 7 No.1 2024
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615

سدذرائع:

ذرائع ذریعہ کی جمع ہے، جس کا معنی وسیلہ ہے، سد ذرائع کو امام مالک نے اپنے فقہی اصول میں شمار کیا ہے، اس کا مطلب دفع ذرائع ہے، لہذا جو چیز حرام کا وسیلہ ہے وہ حرام ہے، مثلاً زنا حرام ہے، اجنبی عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا زنا کا ذریعہ ہے لہذا وہ بھی حرام ہے۔ اگرچہ امام مالک کا سد ذرائع پر بہ نسبت فتح ذرائع کے عمل زیادہ ہے، پھر بھی فتح ذرائع سد ذرائع ہی کی طرح دلیل شرعی ہے، فتح ذرائع سے مراد جس کی طلب میں مصلحت ہو اسے مطلوب بنانا، لہذا واجب کا ذریعہ واجب ہوگا مثلاً جمعہ فرض ہے، تو اس کے لیے سعی فرض ہوگی سعی کے لیے ترک بیع بھی فرض ہوگا۔

قرآن وحدیث سے ذرائع کا ثبوت ملتا ہے،

چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا [21]

مسلمانوں کا قصد ان کے قول راعنا" سے حسن تھا، لیکن یہود نے اسے نبی کریم ﷺ کو گالی دینے کا ذریعہ بنالیا تھا، لہذا مسلمانوں کو اس سے روک دیا گیا۔ حدیث میں نبی کریم سال سیاہ ہم نے احتکار سے منع فرمایا، احتکار کا مطلب ہے، غلہ روک کر رکھنا تاکہ قیمت بڑھ جائے تو اسے فروخت کریں، احتکار سے اس لیے منع فرمایا، کہ یہ لوگوں پر تنگی کا ذریعہ اور ان کی ضروریات کو روکنے کا وسیلہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جس احتکار میں مسلمانوں کا ضرر نہیں وہ درست ہے، ہمثل از بینت وغیرہ کے سامان میں احتکار جائز ہے، کیوں کہ یہ ضروریات سے نہیں۔ حضرت امام مالک کی فقہ کے مطالعے سے آشکار ہوتا ہے، کہ انہوں نے بہت سے مسائل میں ذرائع کا بطور دلیل شرعی اعتبار کیا ہے اور ذرائع پر متعدد فتوے دیے ہیں،

ذیل میں ہم دو مثالیں پیش کرتے ہیں:

(1) کسی تاجر کا دوسرے شخص کے مقابلے میں اپنا سامان کم قیمت پر فروخت کرنا مباح ہے، مگر جب مقابل کے نقصان کی نیت ہو تو یہ عمل حرام ہے، کیوں کہ اس کا یہ فعل ذریعہ حرام ہوگا کہ اپنے دوسرے بھائی کو سر پہنچانا چاہتا ہے، اور مسلمان بھائی کو ضرر پہنچانا حرام ہے۔

(۲) کسی کو بطور رشوت مال دینا حرام ہے لیکن اگر کسی کو اس نیت سے رشوت پر مال دے کہ وہ شخص جس معصیت کا ارادہ رکھتا ہے، اس کا مرتکب نہ ہو تو اس کا یہ فیصل جائز ہے، کیوں کہ اس میں طلب مصلحت ہے اس لیے کہ معصیت کا ضرر بطور رشوت مال دینے کے ضرر سے شدید ہے۔[22]

عادات وعرف:

عرف ایسا امر ہے، جس پر لوگوں کی جماعت اپنی زندگی میں متفق رہی ہو، عادت وہ عمل جو افراد یا جماعتوں سے بتکرار صادر ہو کسی امر کی جب کوئی جماعت عادت بنالے تو وہ امر عرف ہو جاتا ہے، حضرت امام مالک نے عرف وعادت کو فقہی اصل قرار دیا ہے اور جس مسئلہ میں نص قطعی نہ ہو اس میں عرف وعادت کا بطور دلیل شرعی اعتبار کیا ہے، یوں تو مذہب حنفی میں بھی عرف وعادت معتبر ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ معتبر مذہب مالکی میں ہے کیونکہ فقہ مالکی نے استدلال کے لیے مصالح کو ستون کی منزل میں رکھا ہے اور بلاشبہ ایسے عرف کی رعایت جس میں کوئی فساد نہ ہو ایک طرح کی مصلحت ہے، کسی فقیہ کے لیے مناسب نہیں کہ اسے ترک کرے بلکہ اس کو اختیار کرنا ضروری ہے، امام مالک نے تو عرف کو وہ درجہ دیا ہے کہ اگر قیاس عرف کا مخالف ہو تو وہ عرف کو ترجیح دیتے ہیں۔ ذیل میں قرانی کی کتاب "الفروق" سے چند مثالیں درج کی جاتی ہیں، جن میں حضرت امام مالک نے عرف کا اعتبار کیا ہے۔

(1) اگر کسی نے ایسی زمین خریدی جس میں درخت ہو یا عمارت تعمیر کی گئی ہو تو زمین کی بیع میں درخت اور عمارت دونوں داخل ہوں گے۔

(۲) کسی نے گھر خریدا، تو گھر کی بیع میں اس کی سیڑھی، دروازے اور کپڑا لٹکانے کی کھونٹیاں، رسیاں اور لکڑیاں بھی داخل ہوں گی۔

(۳) دو شخصوں نے بطور شرکت عقد بیع کیا اور اس بیچ میں حصے کو مطلق رکھا تو ایسی صورت میں دونوں نصف نصف کے شریک ہوں گے۔[23]

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7615
Vol. 7 No.1 2024

حوالہ جات

[1] سیرت امام مالک، مصنف مولانا محمد عاصم اعظمی، ناشر کتاب میلہ، 2020ء، ص161

[2] القرآن الکریم تاج کمپنی لمیٹیڈ (النحل آیت ۸)

[3] القرآن الکریم تاج کمپنی لمیٹیڈ (النساء آیت ۲۴)

[4] (الام، امام محمد بن ادریس الشافعی، ناشر دار الوفاء، ج۷ ص۱۹۹)

[5] سیرت امام مالک، مولانا محمد عاصم اعظمی، ناشر کتاب میلہ 2020، ص، 163

[6] (موطا شرح زر قانی، تالیف امام محمد بن عبداللہ الزر قانی، ناشر دار الحدیث قاھرہ، 1436ھ، ج۲ ص۲۶۷)

[7] (موطا شرح زر قانی، مصنف امام محمد بن عبداللہ الزر قانی، ناشر دار الحدیث، ناشر دار الحدیث قاھرہ، 2015ء، ج۳ ص۸)

[8] القرآن الکریم تاج کمپنی لمیٹیڈ (التوبہ،)

[9] القرآن الکریم (الزمر، ۱۷، ۱۸)

[10] (المدارک التنزیل، تالیف علامہ ابوالبرکات عبداللہ احمد النسفی، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، 1430ھ، ص۳۴)

[11] (مؤطا امام مالک، مترجم مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری، فرید بک سٹال اردو بازار لاہور، ص۲۹۴)

[12] (مالک، تالیف مولانا محمد عاصم اعظمی، ناشر کتاب میلہ 2020ء، ص۲۹۵)

[13] (موطا امام مالک، مترجم مولانا عبدالحکیم اختر، فرید بکسٹال اردو بازار لاہور، ج ۳ ص۵۷)

[14] (جامع المقدمات، استاد علامہ مدرس افغانی، ناشر کلیۃ حقوق برادری ناشر محفوظ است، 1375ھ، ج۱ ص۲۲)

[15] القرآن الکریم تاج کمپنی لمیٹیڈ (الحج۷۸)

[16] القرآن الکریم تاج کمپنی لیمیٹیڈ (البقرہ۱۸۵)

[17] (سیرت امام مالک، ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی، ناشر کتاب میلہ 2020، ص۳۰۳)

[18] (الموافقات، شیخ علامہ بکر بن عبداللہ، ناشر دار ابن عفان للنشر والتوزیع، 1417ھ، ج۳ ص۱۱۸)

[19] (مؤطا امام مالک، ص۳۰۴، ۳۰۳)

[20] القرآن الکریم تاج کمپنی لمیٹیڈ (البقر۱۷۹)

[21] القرآن الکریم تاج کمپنی لمیٹیڈ (البقرہ۱۰۳)

[22] سیرت امام مالک، ڈاکٹر محمد عاصم، کتاب میلہ 2020ء، ص93-98

[23] (الفروق للقرانی، الفروق اللغویۃ، تالیف الدکتور عبدالجبار فتحی القرانی دار النشر العراق، 1441ھ، ج۳ ص۲۸۷)